JOURNAL OF RESEARCH (URDU)

ISSN (Print): 1726-9067, ISSN (Online):1816-3424
Volume No. 41, Issue No.01

TITLE OF THE PAPER

اُردو ادیبوں کی آپ بیتیوں میں ہجرت اور فسادات کی پیشکش

AUTHOR(S)

* **Tariq Mahmood**
Ph.D Scholar, Department of Urdu & Iqbaliyat
The Islamia University of Bahawalpur
** Dr. Sajjad Naeem
Chairman, Department of Urdu,
Emerson University, Multan

CONTACT

* tariqmux410@gmail.com
** sajjad.naeem@eum.edu.pk

HISTORY OF THE PAPER

Received on:	May 31, 2025
Accepted on:	June 27, 2025
Published on:	June 30, 2025

DETAIL(S)

Volume No. 41, Issue No. 01, Page No: 84-98
Publisher:
Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University
Multan (Pakistan)-60800

LICENSE

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

COPYRIGHT

©The author(s) 2025. ©Journal of Research (Urdu) 2025.
This publication is an open access article.

JOURNAL'S PROFILE

Journal of Research (Urdu) is a bi-annual "Y" category journal approved by Higher Education Commission of Pakistan.
It started in 2001 from Bahauddin Zakariya University, Multan (Pakistan). At that time, it was owned by the Faculty of Languages & Islamic Studies. Later in 2008, Higher Education Commission of Pakistan recognized it as a research journal of Urdu in Category "Z". Since then, it is owned by the Department of Urdu, BZU, Multan. In 2014, it was upgraded and accepted for Category "Y".

CONTACT

Dr. Muhammad Asif
Editor, Journal of Research
Department of Urdu, BZU Multan-60800

MOBILE:
+92 333 6062921

WEBSITE:
https://jorurdu.bzu.edu.pk/website/

EMAIL:
jorurdu@bzu.edu.pk
muhammadasif12@bzu.edu.pk

ADDRESS

Office of the Journal of Research (Urdu), Department of Urdu,
Bahauddin Zakariya University, Multan

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 41, Issue No. 1, June 2025

* طارق محمود ** ڈاکٹر سجاد نعیم

اُردو ادیبوں کی آپ بیتیوں میں ہجرت اور فسادات کی پیشکش

The Presentation of Migration and Riots in the Autobiographies of Urdu Writers

ABSTRACT

Autobiography is a very close relative or special form of Biographical Literature. In this research article we included those autobiographies which were written by those literary persons who were part of partition in subcontinent in 1947. Collectively in this thesis we discussed literary autobiographies of those literary persons who faced difficulties in the shapes of migration and religious intolerance at the time of partition. These autobiographies are parallel narrative of history, culture, Hindu-Muslim collaboration, religious respect, festivals, brotherhood and human behaviour. In these autobiographies cruel memories are saved. Middle of twentieth century was life-changing moment for these literary figures and rest of subcontinent. Now these autobiographies are important piece of literature.

KEYWORDS

Autobiography, Biographical Literature, partition in subcontinent, Hindu-Muslim collaboration

تقسیم ہند کے وقت جن لوگوں نے ہجرت کی وہ زندگی بھر اس کرب سے باہر نہیں آ سکے۔انہوں نے فسادات کے وقت اپنے جگر گوشوں کو کھو دیا۔ان لوگوں میں زیادہ پنجاب کے دیہی علاقوں کو تھی۔یہ لوگ سادہ اور مٹی سے جڑے ہوئے لوگ تھے۔ان کے لیے یہ واقعہ اچانک، غیر متوقع اور ان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے کہیں بڑھ کر تھا۔ان میں سے زیادہ تر نے رات کی تاریکی میں بلوائیوں کے ڈر سے گھر چھوڑا تو کچھ بھی ساتھ نہ لا سکے۔ راستے میں ڈر، خوف کے سائے منڈلاتے رہے۔بہت سے راستے میں لٹے یا مارے گئے جو بچ کر پاکستان پہنچے تو نئے ملک میں انھیں وہ کچھ نہ مل سکا جو کچھ وہ چھوڑ کر آئے تھے۔الاٹ منٹ کے مسائل سامنے آئے۔ان کی زمینوں اور املاک

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 41, Issue No. 1, June 2025

کے حساب میں گڑبڑ ہوئی بہت سوں کو برسوں مہاجر کیمپوں میں رہنا پڑا یا کسی ویرانے میں جھونپڑی بسانی پڑی۔ سب بڑا ظلم ان کے جذبات کے ساتھ ہوا کہ ان کے خواب ٹوٹ گئے۔ مہاجر کا لفظ ایک گالی بن کر ان کے ساتھ جڑ گیا۔ وہ مقامی لوگوں سے گھل مل نہیں سکے۔ ان کی زبان، لباس، رسوم، عقائد، تہوار یہاں آکر ماند پڑنے لگے۔ ان کا زیادہ تر وقت اپنے خطے اور علاقے کو یاد کرتے ہوئے گزرتا۔ یہ لوگ پاکستان کے مختلف علاقوں، بستیوں قصبوں میں گروہوں کی صورت آباد ہوئے۔ ہر دوپہر اور ہر شام عورتیں مل کر بیٹھتیں تو گزرے دونوں کی یاد اور ان کی کسک انھیں آبدید کر دیتی۔ ان میں سے بہت سے تقسیم کے عمل کے دہائیوں بعد بھی یہی سوچتے رہے کہ شاید حالات جلد ٹھیک ہو جائیں گے وہ پھر سے واپس اپنے گھروں کو لوٹ جائیں گے۔ وہ کھیل، پکوان میلے ٹھیلے، تماشے لوگوں کا آپسی اشتراک ان کے لیے ایک اداسی اور مایوسی بن کر رہ گیا۔ ان کی موجودہ زندگی ماضی کا روز نامچہ بن کر رہ گئی۔ وہ یہاں پیش آنے والی صورت حال کا ماضی کی کسی ویسی ہی صورت حال سے موازنہ کرنے لگے۔

ہجرت کا یہ دکھ نہ صرف ان کی زندگیوں تک محدود رہا بلکہ دوسری اور تیسری نسل تک اس احساس کی شدت کو محسوس کیا گیا۔ وہ لوگ جو ہجرت کر کے آئے تھے ان کی اولاد اور پھر ان کی اولاد نے اپنے گھروں میں ہر وقت ان چیزوں کا ذکر سنا جو اب ان کے پاس نہیں تھیں۔ وہ جو ان سے چھوٹ گیا تھا۔ ایک احساس جرم اور احساس ندامت ان لوگوں کی زندگیوں میں شامل ہو گیا۔ جو یہاں پیدا ہوئے تھے جنھوں نے ہجرت نہیں کی تھی اس کے محض قصے اور واقعات سنے تھے لیکن انہوں نے اس دکھ اور درد کو اتنی ہی شدت سے محسوس کیا تھا جتنا کہ ان کے اجداد نے۔ ان کے پاس اب واحد شناخت ماضی تھا۔ یوں پاکستان بننے کے پچاسویں سال بعد بھی اس دکھ اور کرب کو محسوس کرنے والے کروڑوں لوگ موجود تھے۔ بلکہ ان کی تعداد اس سے بھی کہیں زیادہ ہو چکی تھی۔ جو لوگ حقیقی طور پر ہجرت کر کے آئے تھے، اس دکھ اور کرب کے واقعات ان کی یادداشت کا حصہ تھے۔ وہ صبح شام اپنی ان محرمیوں اور امیدوں کو یاد کرتے رہتے۔ ان کے لیے ماضی ایک جائے پناہ بن چکا تھا جہاں نہ صرف وہ خود پناہ محسوس کرتے تھے بلکہ اپنے بچوں کو بھی بار بار اس کا احساس دلاتے تھے۔ ان کی گفتگو، تحریر اور تقریر میں صرف ایک ہی لفظ بار بار گونجتا رہا اور وہ تھا ہجرت، جب ہم وہاں تھے یا ہم نے جو اپنے وطن میں چھوڑ دیا۔ جو لوگ وہاں سے پڑھے لکھے تھے ان کی زندگیاں یہاں آکر مزید مشکلات کا شکار ہوئیں کہ دیوناگری رسم الخط یہاں پڑھنے والے لوگ نہیں تھے اور اب ان میں نیا رسم الخط سیکھنے کی صلاحیت نہیں بچی تھی۔ ہجرت کے اس غم کو انہوں نے اپنی یادداشتوں میں عمدگی سے بیان کیا ہے۔ یہی

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 41, Issue No. 1, June 2025

صورت حال یہاں سے جانے والے لوگوں کی رہی۔ان یادداشتوں کا عمدہ اظہار ہجرت کرنے والے ادیبوں کی آپ بیتیوں میں ہوا ہے جو اس دکھ کو پھر سے تازہ کر رہا ہے۔

انتظار حسین ڈوبائی میں اپنے گھر اور ہندو مسلم اتحاد کو یاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"خیر جب بندر رخصت ہو جاتے تو محلے کی چھتوں پر بچے کود تے تھے انہیں پتنگیں جو لوٹنی ہوتی تھیں۔اپنی چھت پر میں اکیلا کودتا پھرتا تھا اور یہ چھتیں ویسے تو خود بھی لمبی چوڑی تھیں۔دائیں بائیں کے گھروں کی چھتوں نے انہیں جوڑ کر اور بھی وسعت بخش دی تھی اور یہ سب چھتیں ہندو چھتیں تھیں۔ ہمارا گھر بھی خوب تھا۔کہنے کو مسلمان محلہ میں تھا لیکن دائیں بائیں آگے پیچھے سب ہندو گھر تھے۔"(1)

کشور ناہید ہندو مسلم اشتراک کو یوں دیکھتی ہیں:

"اس زمانے میں ہندو مسلمانوں میں کوئی تعصب تھا نہ دوری۔ ہم سب لڑکیاں بالیاں اکھٹی جھولے جھولتیں، چھتوں کی منڈیر سے آپس میں باتیں کرتیں اور اکھٹی سکول جاتیں۔"(2)

حافظ لدھیانوی ہندوؤں اور مسلمانوں کے آپسی مذہبی احترام کے بارے میں لکھتے ہیں:

"گھر کی دوسری طرف ہندوؤں کا مکان تھا۔رام دُلاری بوڑھی عورت تھی۔ جب رمضان مبارک کا مہینہ آتا تو وہ اس مہینے میں دو چار روزے ضرور رکھتی تھی۔ کہا کرتی تھی سراج تمہارا روزہ بہت مشکل ہے ہمارے برت میں تو آگ پر پکی ہوئی چیز کے علاوہ ہر چیز کھائی جا سکتی ہے۔"(3)

اعجاز الحق قدوسی اپنے گھر کو یوں الوداع کہتے ہیں:

"اس خوب صورت اور روشنیوں کے شہر سے الفراق کی آوازیں آ رہی تھیں اور میں بچشم پُرنم اس شہر کو الوداع کہہ رہا تھا جس میں میرا سارا عالم شباب گزرا تھا، پیری کی صبح اسی شہر میں طلوع ہوئی تھی جو میرا وطن ثانی تھا۔ حیف میں اس شہر کو چھوڑ رہا تھا جس کے عہدیداروں کا مقولہ تھا کہ پیٹھ پر مارو مگر پیٹ پر کبھی نہ مارو۔اس شہر کو چھوڑتے وقت میرا دل رو رہا تھا مگر آنکھیں خشک تھیں۔"(4)

رتن سنگھ نے نئے وطن کی اجنبیت اور اپنے گھر کی یاد کے حوالے سے لکھا ہے:

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 41, Issue No. 1, June 2025

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ میں اب بھی وہیں ہوں اپنے گھر کی چھت پر لیٹا ہوں۔ دادی کہانی سنا رہی تھی کہ کسی نے اپنے جادو سے ہم سب کے جسموں میں سوئیاں چبھو دی ہیں اور ہم نہ زندہ نہ مردہ نیم بے ہوشی کے عالم میں وہیں پڑے ہیں۔ سارا گھر سو رہا ہے، سارا گاؤں سو رہا ہے اور میں خواب کے عالم میں اپنے گھر سے باہر اپنے گاؤں سے باہر اجنبی دھرتی پر بھٹک رہا ہوں لیکن کانٹے چبھ رہے ہیں کہیں کالے ناگ پھن پھلا کر راستہ روک رہے ہیں، کہیں گہرا اندھیرا سمندر کی طرح دور تک پھیلا ہوا ہے اور مجھے کوئی راستہ نہیں سوجھ رہا۔"(5)

اردو ادب میں آپ بیتی ایک مشکل صنفِ ادب ہے کہ کوئی بھی لکھاری اس صنف میں زندگی کی سچائیوں کو بیان کرتا ہے۔ وہ اپنی زندگی سے جڑے اہم واقعات اور شخصیات کے ساتھ تعلق کو قاری کے سامنے لے آتا ہے عمومی طور پر ایک آپ بیتی میں کسی بھی فرد کا خاندانی پس منظر، والدین، جائے پیدائش، بچپن، ابتدائی تعلیم، زندگی کے کسی خاص شعبہ کی طرف دلچسپی، رجحانات، عملی زندگی کا سفر، کامیابیاں، ناکامیاں، ازدواجی زندگی، ملازمت، شغل اشغال، زندگی اور کائنات کے بارے میں تصور، کسی خاص شعبہ ہائے زندگی کی طرف رجحان، سماجی، ادبی اور ثقافتی وابستگی، نظریات، افکار، زندگی کے سفر میں جن شخصیات سے متاثر ہوئے، حاصلات، اہم واقعات اور تناظرات کو بیان کیا جاتا ہے۔ آپ بیتی لکھنے والا فرد ایک مرتبہ پھر سے اپنی زندگی کو آپ بیتی کے ذریعے جیتا ہے۔ وہ زندگی کی خوشیوں، محرومیوں، کامیابیوں، ناکامیوں اور مشکلوں سے دوبارہ گزرتا ہے۔

آپ بیتی میں چونکہ مصنف اپنی زندگی کے واقعات اور تفصیل خود لکھتا ہے اس لیے جرت اظہار کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ بعض اوقات کوئی فرد اپنی زندگی کے واقعات کے بارے میں بیان کرتا ہے تو وہ اپنی من چاہی تعبیر سامنے لے کر آتا ہے۔ وہ اپنے قاری کو وہ بتاتا ہے جو وہ بتانا چاہتا ہے اور بعض اوقات وہ اپنی آپ بیتی میں زندگی کے کسی خاص حصے پر زور دیتا ہے اور اس سے جڑی تفاصیل ہی بیان کرتا چلا جاتا ہے یوں ایسی آپ بیتی میں زندگی کے دیگر پہلو اور بعض اوقات اہم پہلو رہ جاتے ہیں۔ ایک اچھی آپ بیتی آسان اسلوب میں لکھی جاتی ہے اور واقعات کو ایک خاص ترتیب سے بیان کیا جاتا ہے تاکہ قاری کسی الجھن کی بجائے اس میں دلچسپی محسوس کرے اور خود کو مصنف کے قریب محسوس کرے۔ ایک اچھا خود نوشت نگار کسی قسم کی زائید بیانی اور مبالغہ آرائی سے گریز کرتا ہے وہ صرف زندگی کو بیان کرتا ہے نہ کہ زندگی کے فلسفے کو بیان کرنا اور قاری کو نصیحت کرنا۔

آپ بیتی وہ کھڑکی ہے جس میں سے قاری کو حقیقی زندگی کا عکس نظر آتا ہے۔آپ بیتی میں زندگی کے تمام تر راز، تجربات، مشاہدات، نظریات، رہن سہن، تہذیب و ثقافت کو قاری کے نقطہ نظر سے بیان کیا جاتا ہے۔ایک تجسس اور حیرت کے عنصر کو شامل حال رکھا جاتا ہے تاکہ قاری کی جڑت متن سے قائم رہے۔راست گوئی، بے ساختگی اور تسلسل آپ بیتی کے بنیادی اوصاف ہیں۔ایک اچھی آپ بیتی میں مصنف کے تجربات، مشاہدات، نظریات اور دلچسپیاں واضع طور پر نظر آتی ہیں۔قاری مصنف کی زندگی کے تمام نشیب و فراز کو جان پاتا ہے۔انسان کی فطرت ہے کہ وہ تجسس اور تحیر کو پسند کرتا ہے۔واقعات میں اگر مصنف اس عنصر کو قائم رکھتا ہے تو قاری اہم شواہد کو جاننے کے لیے آپ بیتی سے جڑا رہتا ہے۔اسی طرح مصنف بھی آپ بیتی لکھتے وقت خود کو جاننے کی ایک اور کوشش کرتا ہے۔مصنف جتنا زیادہ اپنے بارے میں جانتا ہے اتنا کوئی اور نہیں جان سکتا۔وہ اپنی زندگی کے نہاں خانوں میں جھانکتا ہے اور قاری کے لیے وہ لمحے سامنے لے کر آتا ہے جو مختلف اور منفرد ہوتے ہیں۔

اردو ادب میں خود نوشت کے فن، تکنیک، اصول اور مباحث پر بہت سی کتب، تحقیقی مضامین، مقالے اور تاثرات موجود ہیں۔اردو میں تین سو کے قریب خود نوشتیں موجود ہیں۔سوانح عمری اور یادداشتیں اس سے بھی زیادہ تعداد میں پائی جاتی ہیں۔ان خود نوشتوں میں ادب، سیاست، کھیل، شوبز، تھیٹر، سماج، تعلیم اور افواج سے جڑے لوگ شامل ہیں جنہوں نے اپنی زندگی اور اپنے اپنے کام کے حوالے سے تجربات، مشاہدات اور تاثرات کو اس انداز سے بیان کیا ہے کہ ان کی زندگی کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ایک عام قاری جو کچھ پڑھتا ہے اس کے نزدیک لکھاری کی زندگی بھی اتنی ہی اہم ہوتی ہے وہ جاننا چاہتا ہے کہ جس طرح کی تحریریں اسے پسند ہیں ان تحریروں کو لکھنے والے انسان کی زندگی کس انداز میں بسر ہوئی اس کی سرگرمیاں کیا رہیں، اس نے زندگی میں آنے والی مشکلات کا سامنا کیسے کیا اور جس مقام تک پہنچا اس کا یہ سفر کیسا رہا۔

خود نوشت لکھنے کا رجحان دنیا بھر میں بڑھا ہے۔انسانی تاریخ میں بیسویں صدی سب سے زیادہ پُرآشوب اور تبدیلیوں والی صدی رہی ہے۔اس صدی نے بڑی جنگیں، وبا، قحط، لڑائیاں اور انقلاب دیکھے جس کی وجہ سے آبادی کا ایک بڑا حصہ متاثر ہوا۔ان ہنگاموں میں دوسرے انسانوں اور خود کو محفوظ کرنے کے لیے بہت سے لوگوں نے شب و روز محنت کی اور اپنے اپنے سماج کے لیے تعلیم، کھیل، ادب، سائنس اور سماجی سطح پر نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ زندگی کا سفر آگے بڑھا اور دنیا نے اور تیزی سے سفر کرنا شروع کیا تو لوگوں نے اپنے ان ہیروز اور نمایاں کارنامے

سرانجام دینے والوں کو خراج تحسین پیش کیااور ان کے بدلے میں زیادہ سے زیادہ جاننا چاہا۔ان لوگوں نے اپنی زندگی کے سفر کو لکھنا شروع کیااور یوں خودنوشتیں اور سوانح عمریاں سامنے آنے لگیں۔اس کے ساتھ ساتھ ناول، افسانہ اور دیگر اصناف میں بھی سوانحی مواد کی جھلک شامل ہونے لگی۔بہت سے ناول اپنے کرداروں کی وجہ سے معروف ہوئے گویاایک سطح پر وہ ان کرداروں کی آپ بیتی تھی۔یعنی فکشن ایک طرح سے اپنے ہی بدلے میں بازیافت اور بازدید کے مرحلے سے گزر رہا تھا۔یوں خودنوشت کسی انسان کی وہ روداد ہے جو وہ خود لکھتا ہے۔اس طرح قاری کسی بھی دوسرے سے زیادہ اس صنف کے سچے ہونے کی امید رکھتا ہے۔اس کتاب کا مرکزی کردار وہ خود ہوتا ہے۔آپ بیتی مصنف کی زندگی کے معروف گوشوں کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے گوشے بھی سامنے لاتی ہے جو اس سے پہلے کبھی بیان نہیں ہوئے ہوتے خاص طور پر وہ مصنف زندگی کے جس شعبے میں کامیاب رہا ہوتا ہے اس حوالے سے کچھ ایسا ضرور ہوتا ہے جو اس سے پہلے لوگ نہیں جانتے ہوتے اور یہی وہ اصل کڑی ہوتی ہے جو قاری کو اور مصنف کو آپس میں جوڑ دیتی ہے۔خاص طور پر ادیبوں کی آپ بیتیاں اس حوالے سے معروف ہیں۔

بیسویں صدی کے نصف اول میں تین بڑے واقعات رونما ہوئے جنگ عظیم اول، جنگ عظیم دوم اور تقسیم ہند۔ان تین واقعات اور حادثات نے دنیا کا جغرافیہ بدل کر رکھ دیا۔بہت سے ملکوں میں لاکھوں مارے گئے۔تقسیم ہند کے وقت دنیا کی سب سے بڑی ہجرت سامنے آئی۔برصغیر کے نقشے پر دو ممالک ابھرے ہندوستان اور پاکستان۔بنگال اور پنجاب کے علاقے تقسیم ہوئے اور بہت سی ریاستیں پاکستان اور ہندوستان کے ساتھ الحاق میں شامل ہو گئیں۔بیسویں صدی کے نصف آخر میں بہت سے ان لوگوں کی آپ بیتیاں سامنے آئیں جنہوں نے اس جنگ اور تقسیم کے عمل میں حصہ لیا، جنہوں نے فسادات دیکھے اور ہجرت کی۔

اس مقالہ میں صرف ان آپ بیتیوں کو شامل کیا گیا ہے جو تقسیم ہند کے وقت ان ادیبوں نے لکھیں جنہوں نے فسادات دیکھے اور ہجرت کی۔اس مقالہ میں اس عمل کا تجزیہ کیا گیا ہے کہ اس حادثے نے ان کی زندگیوں پر کیا اثرات مرتب کئے ہیں۔ان کے ذہن پر اس حادثے نے ایسے کیا اثرات نفسیاتی، تدبیخی، سماجی اور ادبی سطح پر مرتب کئے کہ وہ زندگی بھر اس حادثے کے اثر سے نکل نہیں سکے۔ان کی زندگی تقسیم ہند سے پہلے جس طور پر گزر رہی تھی تقسیم کے بعد اس طور پر ہر گز نہیں گزری۔وہ معاشی، سماجی اور نفسیاتی طور پر اس قدر متاثر ہوئے کہ اس کے بعد تقسیم ہند ایک ڈراؤنا خواب بن کر ان کی آئندہ زندگیوں سے چپکا رہا۔خاص طور پر ایسے ادیبوں نے جو ادب تخلیق کیا اس پر ہجرت

اور فسادات کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔انہوں نے اس خطے میں رونما ہونے والے باقی سیاسی، ثقافتی اور سماجی اثرات کو بھی اس المیے کے تناظر میں ہی دیکھا۔یوں تقسیم ہند کے بعد ایک پوری نسل اس حادثے سے متاثر ہوتی اور انہوں نے اپنی داستان اپنی آپ بیتی کی صورت میں ہمارے سامنے پیش کی۔ان آپ بیتیوں میں ایک پورا عہد اور اس کی سماجی تاریخ محفوظ ہے۔

تقسیم ہند کے وقت بہت سے لوگ مشرقی پاکستان اور ہندوستان کے دیگر علاقوں سے ہجرت کر کے پاکستان آئے اور بہت سے پاکستان کے مختلف علاقوں خصوصاً مغربی پنجاب سے ہجرت کر کے ہندوستان گئے۔ پاکستان سے جانے والوں میں ہندو اور سکھ مذہب کے لوگ تھے جبکہ ہندوستان سے مسلمان پاکستان آئے۔ ہندوستان میں دہلی، علی گڑھ، ڈبائی، مظفر نگر، لکھنو، حیدرآباد، امرتسر، فیروز پور، جالندھر، گورداس پور سمیت اتر پردیس اور ہریانہ کے علاقوں میں فسادات ہوئے جبکہ پاکستان میں لاہور، ملتان، ساہیوال، کراچی، فیصل آباد وہ مرکزی شہر تھے جو فسادات کی لپیٹ میں آئے۔ فسادات کے وقت ہندوں اور سکھوں نے مشترکہ طور پر مسلمانوں کے علاقوں کا گھیراؤ کیا۔انہیں راستوں میں روکا ان کے گھروں کے آگ لگا دی اور املاک کو لوٹ لیا۔اسی طرح پاکستانی علاقوں میں ہندوں کو لوٹا اور مارا گیا۔ سکھوں میں تارا سنگھ مرکزی لیڈر بن کر سامنے آیا۔وہ یہ چاہتا تھا کہ پنجاب تقسیم نہ ہوا اور اس کی حکومت سکھوں کو دی جائے کیونکہ انگریزوں نے پنجاب سکھوں سے چھینا تھا اور اس فساد کی جڑ مسلمان ہیں۔ہندوں کو بھی مسلمانوں پر غصہ تھا۔ہندوں اور کانگریس کے حامی زیادہ تر تقسیم نہیں چاہتے تھے اس لیے وہ مسلمانوں کے خلاف تھے۔فسادات کے وقت ہجرت کرنے والوں کو بھی نہیں چھوڑا گیا۔قافلوں پر حملے کئے گئے، ٹرینوں کو روک کر قتل وغارت کی گئی، راتوں کو شب خون مارا گیا اور مہاجر کیمپوں پر بھی حملے کئے گئے۔دونوں طرف کے لوگ جو اپنے اپنے ملکوں میں پہنچے تو وہ اس قدر خوف اور دہشت کا شکار تھے کہ وہ کبھی اس حادثے کو بھلا نہیں سکے۔کسی کا بھائی، باپ نہ رہا تو کسی کا بیٹا اور شوہر مارے گئے۔خاندانوں کے خاندان اجڑ گئے اور مالی نقصان اس کے علاوہ۔وہ لوگ جو اپنے ملکوں میں عزت اور وقار سے رہ رہے تھے ذلیل اور رسوا ہوئے کہ سر چھپانے کے لیے جگہ بھی مشکل سے ملی۔فسادات اور ہجرت کربناک اور اذیت دہ ثابت ہوئے۔

سید مسلم حسینی لکھتے ہیں:

"آخر وہ دن بھی آگیا جب ہم لوگ اپنی جان بچا کر بے سروسامانی کی حالت میں گھر سے نکلے۔اگر

تھوڑی دیر اور رہ جاتے تو ہم لوگوں میں سے شاید کوئی بھی زندہ نہ بچتا۔ مجھے وہ دن ہمیشہ یاد رہے گا۔ اس دن کے حالات اور واقعات میرے ذہن پر ایک پرانے زخم کی طرح نقش ہیں۔ سہ پہر کا وقت تھا گھر کی بالکنی سے دیکھا کہ سکھوں کا ایک گروہ آگ لگاتا ہوا گلی کے ایک سرے سے ہمارے گھر کی طرف بڑھ رہا ہے۔ بچوں کے رونے اور عورتوں کے چیخنے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔"(6)

چودھری محمد طفیل کسانہ نے ہجرت کے دن کے کرب کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"۲۰ اگست ۱۹۴۷ء کا منحوس دن ہے۔ ایک سو کے قریب لوگ اپنے اپنے گھر بار ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر سروں پر گٹھڑیاں اٹھائے، گودوں میں بچے لیے تھکے ہارے بھوک پیاس کے مارے موضع ٹیلاں تک پہنچ پائے تھے کہ دن چڑھ آیا۔ سفر پاکستان تو کیا ان بیچاروں کا سفر زندگی ختم ہو گیا۔ ہندو بلوائیوں نے گھیر لیا۔ چند ایک لاٹھیاں اور کلہاڑیاں جو ان کے پاس تھیں ان سے لے لی گئیں اور انہیں نہتا کر کے بے دریغ قتل کر ڈالا۔"(7)

خواجہ افتخار اپنی کتاب "جب امرتسر جل رہا تھا" میں لکھتے ہیں:

"21 اگست 1947ء کے روز شریف پورہ سے اسلامیان امرتسر کی پہلی ٹرین لاہور کے لیے روانہ ہوئی تو ٹرین کے ڈبوں اور فٹ بورڈوں پر سوار ہزاروں مسلمان اپنے آبائی شہر کے در و دیوار کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ اپنے بچے کھچے افراد خانہ کے باحفاظت پاکستان پہنچنے کی دعائیں مانگ رہے تھے کیونکہ خالصہ کالج اور پُتلی گھر کے قریب (جہاں ماسٹر تارا سنگھ کا گھر تھا) ہزاروں سکھ ریلوے لائن اور جی ٹی روڈ سے گزرنے والے مسلمان کے خون سے ہولی کھیل رہے تھے۔"(8)

یعقوب علی زمیندار نے تقسیم کے بعد مہاجرین کی مشکلات کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اس وقت جب ہم تقسیم ہوئے یہ نہیں کہا گیا تھا جیسا کہ میں نے سنا ہے کہ پاکستان رؤسا کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ اس وقت ہندوستانی یونین کے مسلمانوں کو خبردار کیا جاتا تھا کہ آپ وہاں ایک مایوس اقلیت ہوں گے کہ آپ کو ختم کر دیا جائے گا۔ آپ کو ہر قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اور یہ کہ آپ کو زنجیر میں جکڑ کر غلام بنا لیا جائے گا اور ہندوستانی یونین کے مسلمانوں نے تب کہا تھا کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ ان کا انجام ہونے والا ہے۔"(9)

تقسیم ہند کے عمل نے اردو ادب اور ادیب دونوں کو متاثر کیا۔ادیبوں کی سماجی زندگی متاثر ہوئی۔انہوں نے سماجی اقدار کو ٹوٹتے اور ملک کو بکھرتے دیکھا۔بدترین سیاست اس وقت سامنے آئی۔انسانی رویے اس طرح بدلے کے وہ لوگ جو ایک ہی شہر اور قصبے میں برسوں سے ایک ساتھ اتفاق اور ہم آہنگی سے رہے وہ کیوں اور کس طرح ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے۔وہ ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی بجائے خون کے پیاسے ہو گئے اور آخر انہوں نے ایک دوسرے کو علاقوں سے دور کر کے دم لیا۔یہ سب کچھ ان ادیبوں کے ادب اور آپ بیتیوں میں بیان ہوا ہے۔ دونوں طرف کے ادیبوں نے ایک جیسی آپ بیتیاں لکھی ہیں۔ان سب کے ہاں تقسیم ہند کے موضوع پر بحث ملتی ہے جس سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ادیب تقسیم کے حق میں تھے یا اس کے خلاف۔ان آپ بیتیوں میں ان کے ذاتی تجربے اس طرح بیان ہوئے ہیں کہ فسادات کا اور ہجرت کا پورا منظر نامہ اس طرح سے سامنے آتا ہے کہ قاری کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ مصنف کے ساتھ ان گلی کوچوں میں پھر رہا ہے۔اس پر کسی بھی وقت حملہ ہو سکتا ہے۔رات کو کوئی بھی اسے چھرا گھونپ سکتا ہے۔تلوار، کرپان، بھالہ، نیزہ، نعرے، جلسے، جلوس، تقاریر، نفرت، بے گھری، حملہ، آگ، جلاؤ گھراؤ، مار دھاڑ، بھاگ دوڑ، قافلے، کیمپ سب کچھ اس انداز سے فطری انداز میں بیان ہوا ہے کہ قاری خود کو ان مناظر میں شامل محسوس کرتا ہے۔وہ خاص طور پر دونوں طرف کے ادیبوں میں سب سے الخراش منظر جس نے ان کی یادوں اور حواس پر گہرا اثر کیا وہ اپنے گھر کو چھوڑنے کا منظر ہے۔وہ گھر جہاں وہ کھیلے، ہنسے اور خواب دیکھے انہیں اس گھر کو چھوڑنا پڑا۔گھر چھوڑتے وقت ان کو اس بات کا احساس کرنا بہت مشکل ہو رہا تھا انہوں نے آخری بار جب اپنے گھر کو دیکھا اور اپنی گلی سے گزرے اس منظر کو سب ادیبوں نے خاص دلچسپی سے بیان کیا ہے۔جو قاری کو اس سارے عمل کی سنگینی پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

پریم رتن وہرہ لکھتے ہیں:

> ”نہیں نہیں میں انہیں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔میں اپنی تہذیب کا گلا اپنے ہاتھوں سے نہیں گھونٹ سکتا۔میرا بچپن میری جوانی یہاں کے ذرے ذرے میں ایسی بسی ہے اگر تم میرا جسم ہندوستان بھیج بھی دو تب بھی میری روح یہیں بھٹکتی رہے گی۔نہیں میں نہیں جاؤں گا۔زندگی میں ہی اپنے جسم و جاں کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا۔ہائے یہ کیسا انصاف ہے کہ کسی کو جرم کی یہ سزا دی جائے کہ وہ اپنا دل اپنے ہاتھوں سے نوچ کر پرے پھینک دے۔اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر

میں آگ لگادے۔ یہ کسی آزادی ہے یہ کہاں کا انصاف ہے۔"(10)

مسعود حسن خان اپنے گھر کو یاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میری ننھیال تین پختہ حویلیوں پر مشتمل تھی۔ زنانہ مکان جو سب سے قدیم تھا سن ستاون کے ہنگامے میں اسے گوروں کے ساتھ مل کر کرمیوں نے جلادیا تھا۔ جس کے جلنے کے نشانات اس کے زینے کی کڑیوں پر اس وقت موجود تھے۔ گھر والے بھاگ کر رشتہ داری میں تلسہریا کے گاؤں چلے گئے تھے۔ کہاجاتا ہے کہ جاتے ہوئے وہ اپنی ساری نقدی گھر کے کنویں میں ڈال گئے تھے۔"(11)

جمنا داس اختر پاکستان میں رہ جانے والے اپنے گھر کو یاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جانے کیوں دل بھر آیا۔ ایک سال پہلے میں نے سامنے کی اودی اودی پہاڑیوں پر سے درہ خیبر اور اس سے بھی آگے کی سیر کی تھی۔ میں نے دیکھے تھے کچے راستوں پر چلتے ہوئے قبائیلوں کے قافلے، اونٹوں پر بیٹھے ہوئے ان کے بچے خوشی سے جھومتے تو کتنے خوبصورت معلوم ہوتے تھے۔ خشک اور ننگی ننگی پہاڑیاں، بیٹھے بیٹھے وہ تمام منظر آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ جانے کیوں آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے۔ جانے کیوں خیال آیا کہ دنیا کے اس حصے میں یہ آخری سفر ہے۔ اس کے بعد یہ پہاڑیاں کبھی نہ دیکھ سکوں گا نہ ہی کھلی فضا میں چرتی ہوئی بھیڑیں اور مانوس چہرے۔"(12)

رام لعل اپنے گھر کو چھوڑنے کی یاد کو یوں تازہ کرتے ہیں:

"ہم نے اپنے چھوٹے سے گھر کو تالا لگانے سے پہلے بڑی حسرت سے دیکھا۔ پتہ نہیں کیوں میرے من میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ شاید یہاں لوٹنا پھر نصیب نہیں ہوگا۔ قائداعظم کا پوسٹر دیوار پر آویزاں تھا۔ وہ ہماری طرف یک ٹک دیکھ رہے تھے۔ ان کی نظروں میں ایک حیرت ناکی تھی۔"(13)

شہرت بخاری اپنے گھر سے ہجرت کے آخری لمحوں کو یاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہمارا سارا گھر جاگ رہا تھا، سب چپ چاپ اپنی جگہ بیٹھے تھے۔ کتنوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ میں سیدھا گلی میں اُتر گیا۔ گلی میں اب کوئی بھی نہیں تھا۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ میں بازار

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 41, Issue No. 1, June 2025

کی طرف بھاگا۔بازار میں لوگ ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے۔ اکثر دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔"(14)

مولانا عبدالمجید سالک ہجرت کے وقت راستے کی پریشانی کو یوں بیان کرتے ہیں:

"ریلوے روڈ پر تمام صورتیں اجنبی نظر آرہی تھیں اور تمام سڑکوں پر ہزاروں لوگ مختلف چیزوں کے خوانچے لگائے بیٹھے تھے۔ یہ سب مہاجر تھے جن کا سب کچھ برباد ہو گیا تھا اور محض اپنے اور اپنے اہل وعیال کے جسم وجاں کا اتحاد قائم رکھنے کے لیے روزانہ روپیہ دو روپیہ کسی نہ کسی طرح کمانے پر مجبور تھے۔ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں پر جو گزری اس کی داستانیں سننے سے کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ مغربی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں پر جو سختیاں ہوئیں وہ مشرقی پنجاب کے حوادث کا عشر عشیر بھی نہ تھیں۔ بہرحال دونوں طرف سے ایک کروڑ انسان اپنے جان ومال کو ترک کر کے حرکت میں آچکے تھے اور دونوں طرف کی حکومتیں شرنارتھیوں اور پناہ گزینوں کو سنبھالنے میں مصروف تھیں۔"(15)

تقسیم ہند کے وقت لکھی جانے والی آپ بیتیوں میں ۱۹۴۷ء کے واقعہ کے حوالے سے لکھتے ہوئے زیادہ تر مصنفین خاص طور پر مسلمان ادیبوں نے اس سفر کا آغاز ۱۸۵۷ء سے کیا ہے جب برصغیر میں مسلمانوں کی حکومت ختم ہو گئی آخری مغل بادشاہ مارا گیا اور دہلی کی وہ تہذیب اجڑ گئی جو ہزاروں برسوں سے مسلمانوں کا فخر اور امتیاز تھی۔ اس کے بعد مسلمانوں نے خود کو متحد کیا جس میں علی گڑھ تحریک اور سرسید احمد خاں کا کردار مرکزی حیثیت کا حامل رہا ہے۔ سرسید ایک ایسے تعلیمی ادارے کی بنیاد ڈال گئے جس نے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم مہیا کیا جہاں شاعر، ادیب، دانش ور اور آزادی ہند کے متوالے جمع ہوتے چلے گئے اس ادارے نے مسلمانوں کے جوش اور جذبے کی عقلی طور پر آبیاری کی۔ سرسید کے بعد نواب محسن الملک نے اس ادارے کو ترقی دی۔ کانگریس کا قیام عمل میں آیا تو برصغیر میں سیاسی عمل تیز ہوا۔ وقار الملک محمد علی جوہر اور رفقاء سرسید نے اردو زبان، مسلمانوں کے تشخص اور آزادی کے جذبے کو بیدار رکھا تاکہ مسلمان برصغیر میں اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر لیں۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد انگریزوں کا کنٹرول برصغیر پر کمزور ہوتا چلا گیا۔ بنگال کی تقسیم منسوخ ہوئی۔ تحریک خلافت، ریشمی رومال، شدھی، سنگھٹن، اصلاح معاشرہ، انجمن حمایت اسلام، مسلم لیگ، گول میز کانفرنس، معاہدہ لکھنو، نہرو رپورٹ، قائداعظم کے چودہ نکات، سائمن کمیشن، گورنمنٹ ایکٹ انڈیا ۱۹۳۵ء، ہندوستان کے انتخابات، دوسری جنگ عظیم، قرار داد پاکستان، مختلف

سیاسی رہنماؤں کے اختلافات، عوام کاردِ عمل، ہندو مسلم اتحاد کا ختم ہونا، دو قومی نظریہ، جلسے جلوس، ہنگامے، انتشار اور فسادات تک یہ وہ پس منظر ہے جو ہمیں مختلف آپ بیتیوں میں نظر آتا ہے۔اس کے بعد فسادات اور ہجرت کی پیشکش ہے جو ادیب جس شہر میں رہا اور زندگی گزاری وہ شہر اس کے لیے کس طرح اجنبی ہو گیا۔وہ شہر اسے کیوں چھوڑنا پڑا اور اس کے اس عہد اور سماج کے ساتھ اس کی ذاتی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوئے یہ سب کار گزاری ہمیں ان ادیبوں کی آپ بیتیوں میں نظر آتی ہے۔

دہلی اور کراچی وہ شہر تھے جہاں سے بڑی تعداد میں انخلا بھی۔۔۔مہاجرین کی آبادکاری بھی ہوتی۔ان دونوں شہروں میں نئے لوگوں کی زندگیوں کا تحفظ اور شہری زندگی پر اس ہجرت کے اثرات کے حوالے سے حکومتوں میں ایک گہری تشویش رہی۔اگست ۱۹۴۷ اور ۱۵ کی درمیانی رات کو دہلی برطانوی ہند کے دارالحکومت سے آزاد ہندوستان کے دارالخلافے میں تبدیل ہو گیا۔شاہ جہاں کا لال قلعہ جو کبھی مسلمانوں کی شان وشوکت کا مظہر تھا وہاں سے جواہر لعل نہرو نے قدیم سے جدید ہندوستان کی طرف قدم بڑھایا۔حکومت کی طرف سے کوشش کی گئی کہ دہلی شہر کی طرف کم سے کم لوگ ہجرت کے بعد آئیں۔ٹرینوں کا رخ موڑا گیا لیکن اس کے باوجود ۱۹۵۱ء کی ہندوستان کی مردم شماری کے مطابق تین لاکھ سے زائد افراد نے دہلی شہر میں بطور غیر مسلم شرنارتھی پناہ لی اور کراچی میں بھی اس کے قریب تعداد میں مسلمان آکر آباد ہوئے۔ان آپ بیتیوں میں ہجرت اور فسادات کے ساتھ ساتھ مہاجر اور شرنارتھی کیمپوں کا ذکر بھی موجود ہے جہاں بہت سے ادیبوں نے بیان کیا کہ لوگ پاکستانی سرزمین پر آتے ہی سربہ سجود ہوتے اور ان کی تھکن اتر جاتی۔وہ عارضی طور پر ان کیمپوں میں آگئے لیکن ان کا یہ مختصر قیام خاصا طویل ہو گیا۔یہ دن بہت بے زار کن تھے۔لوگوں کے پاس کچھ نہیں تھا بمشکل ایک آدھ بد کھانا ملنا، سونے، کھانے اور لباس کا انتظام نہیں تھا کچھ وقت تک تو لوگ ایک دوسرے سے ہمدردی کرتے رہے۔ایک دوسرے کی ضرورتوں کا خیال رکھتے رہے لیکن پھر یہ تعلق بوجھ بنتا گیا۔مہاجر کیمپوں میں چوریاں، لڑائیاں ہوئیں اور لوگ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ کیا یہ وہی ملک ہے جس کے لیے وہ سب کچھ چھوڑ کر آئے ہیں کتنے ہی اپنوں کو کھویا ہے۔مہاجر کیمپوں کے بعد مختلف شہروں کی طرف سفر، رہائش اور الاٹمنٹ کے مسائل اس سے بھی زیادہ سنگین ثابت ہوئے اور ایک اذیت کا سفر مزید اذیتوں کے ساتھ ختم ہوا۔

اس مقالہ میں اردو کی ابتدائی آپ بیتیوں کا ایک سرسری جائزہ لینے کے بعد یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ

یہ ابتدائی آپ بیتیاں آپ بیتی کے فن، تکنیک اور موضوع پر کس درجہ پوری اترتی ہیں۔ابتدائی طور پر جن ادیبوں نے خود نوشتیں لکھیں انہوں نے یہ کام شعوری طور پر ایک مصنف کو منتخب کر کے کیا یا وہ محض اپنے بارے میں تاثرات قلم بند کر رہے تھے۔مولانا جعفر تھانیسری کی ''کالا پانی''، خواجہ حسن نظامی کی ''آپ بیتی''، سر رضا علی کی ''اعمال نامہ'' مولوی عبدالرزاق کی ''یادایام''، حسرت موہانی کی ''قید فرنگ''، ملا واحدی کی ''میرے زمانے کی دلی''، احسان دانش کی ''جہان دانش''، جوش ملیح آبادی کی ''یادوں کی بارات'' شامل ہیں۔اس کے بعد آپ بیتی کا دیگر اصناف سے ربط اور اختلاف پر بحث کی گئی ہے جس میں روزنامچہ، ڈائری، خط، روداد، انٹرویو، رپورتاژ اور سوانح عمری شامل ہیں۔

ایک اچھی آپ بیتی کے کیا خواص ہیں۔آپ بیتی کے لازمی عناصر کون سے ہیں۔آپ بیتی میں جانبداری اور غیر جانبداری کی کیا اہمیت ہے۔آپ بیتی کا مرکزی کردار اور کہانی کے ہیرو میں کیا فرق ہونا چاہئے، آپ بیتی کی ترتیب، اہم واقعات کا بیان، سماجی حقیقت نگاری، مختلف شخصیات سے وابستگی اور ان کے مصنف کی زندگی پر اثرات، ایک مصنف کے طور پر آپ بیتی کا انتخاب کن ادیبوں نے کیا اور مختلف صحافتی یا سوانحی مضامین کو اکٹھا کر کے آپ بیتی کا نام کن ادیبوں نے دیا۔ایک ادبی آپ بیتی اور سیاسی آپ بیتی میں کیا فرق ہے۔کوئی ادیب جس نظریے یا تحریک سے وابستہ رہا اس کے اثرات اس آپ بیتی پر کتنے ہیں۔ایک اچھی آپ بیتی میں نجی زندگی کے بیان کا کیا توازن ہونا چاہئے۔کچھ آپ بیتیاں کسی خاص عمر یا زمانی عہد تک محدود ہیں جیسے صرف بچپن کے واقعات لکھنا عذرا عباس کی آپ بیتی ''میرا بچپن'' صرف بچپن کے واقعات تک محدود ہے اور اسی طرح زیڈ۔اے بخاری کی آپ بیتی ان کے کام یعنی ریڈیو کے گرد گھومتی ہے۔ کچھ نے تقسیم ہند کے بارے میں کھل کر لکھا اور کچھ نے اس کا سرسری ذکر کیا ان سوالات کے جوابات کو تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

پاکستانی ادیبوں میں اے حمید، مرزا ادیب، مشتاق احمد یوسفی، کلیم اللہ، انتظار حسین، کشور ناہید، وزیر آغا، قدرت اللہ شہاب، ادا جعفری، ڈاکٹر سلیم اختر، اختر حسین رائے پوری، آغا زکاشمیری، احسان دانش، مبارک علی، اعجاز الحق قدوسی، امیر علی، احمد بشیر، چودھری محمد طفیل کسانہ، حافظ لدھیانوی شامل ہیں جبکہ ہندوستانی ادیبوں میں عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر، رام لعل، بیگم انیس قدوائی، پریم رتن وہرہ، رتن سنگھ اور دیگر شامل ہیں۔اس مقالے میں کوشش کی گئی ہے کہ پاکستانی اور ہندوستانی ادیبوں کی آپ بیتیوں میں فسادات کو کس طرح دیکھا گیا ہے۔دونوں ملکوں کی آپ بیتیوں میں طرز حکومت، حکومت کی پالیسیوں کو کس نظریے سے دیکھا ہے، مذہب کے حوالے سے ان کی

جڑت اور آپ بیتی میں اس کا بیان کیا ہے۔دونوں ملکوں کے ادب اور ادیبوں پر ان کے کیا اثرات برآمد ہوئے۔جن ادیبوں نے ہجرت کی اور جنہوں نے نہیں کی ان میں کیا اختلاف ہے اور مذہبی آپ بیتیوں میں ان کا کیا کردار رہا۔ان ادیبوں میں کتنے تقسیم ہونے کے حامی اور کتنے مخالف تھے۔ان ادیبوں نے اپنی آپ بیتیوں کو کتنی اہمیت دی۔دونوں طرف کی آپ بیتیوں کے فرق کو جاننے کی کوشش کی گئی کیسے دیگر ان آپ بیتیوں کی تدریخی، ذہنی اور سماجی حیثیت کیا ہے اس ضمن میں بنیادی سوالات کو سامنے رکھتے ہوئے صورت حال کا جائزہ لیا گیا ہے۔پاکستان اور ہندوستان کے ادیبوں کی آپ بیتیوں میں ہجرت اور فسادات کی پیشکش کو دیکھنے کے بعد آپ بیتی کے فن، تکنیک، روایت اور موضوع کے حوالے سے جانچ کی گئی ہے۔اجتماعی اور انفرادی رجحانات کو دیکھا گیا ہے اور ان کے نفسیاتی، سماجی، تدریخی اور ادبی تناظرات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

حوالہ جات و حواشی

1۔ انتظار حسین، جستجو کیا ہے؟(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2011ء)، ص 31
2۔ کشور ناہید، بُری عورت کی کتھا، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2018ء)، ص 21
3۔ حافظ لدھیانوی، یادوں کے انمول خزانے، (کراچی: فضلی سنز، 2021ء)، ص 17
4۔ اعجاز الحق قدوسی، میری زندگی کے پچھتر سال، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، 2016ء)، ص 120
5۔ رتن سنگھ، بیتے دنوں کی یاد اور دربدری، (کراچی: اٹلانٹس پبلی کیشنز، 2021ء)، ص 43
6۔ مسلم حسنی، سید، یادوں کے جھروکوں سے، (کراچی: ادب دوست، 2015ء)، ص 43
7۔ محمد طفیل کسانہ، چودھری، پاکستان بنتا ہے، (لاہور: فکشن ہاؤس، 2021ء)، ص 43
8۔ افتخار، خواجہ، جب امرتسر جل رہا تھا، (لاہور؛ الحمد پبلی کیشنز، 2000ء)، ص 193
9۔ یعقوب علی زمیندار، طویل بٹوارہ، (لاہور: مشعل بکس 2014ء)، ص 92
10۔ پریم رتن وہرہ، اٹک سے بمبئی تک، (کراچی: اٹلانٹس پبلی کیشنز، 2023ء)، ص 20
11۔ مسعود حسین خاں، ورودِ مسعود، (جہلم: بک کارنر پاکستان، 2020ء)، ص 46
12۔ جمنا داس اختر، اور خدا دیکھتا رہا، (کراچی: اٹلانٹس پبلی کیشنز، 2024ء)، ص 55
13۔ رام لعل، کوچہ قاتل، (کراچی: بزم تخلیق ادب، پاکستان، 2024ء)، ص 108
14۔ شہرت بخاری، کھوئے ہوؤں کی جستجو، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1987ء)، ص 234
15۔ عبدالمجید سالک، سرگزشت، (جہلم؛ بک کارنر پاکستان، 2018ء)، ص 368